★ ڈاکٹر سیدہ رقیہ

کشمیر کے ابتدائی فارسی مدارس

در دورۂ شاہمیریان

اسلام کی آمد سے ہزاروں سال پہلے بھی کشمیر علوم و فنون کا مشہور مرکز اور ممتاز گہوارہ تھا یہاں کے اہل علم نے ہر دور میں فنونِ ادب میں اپنی گہری بصیرت اور صلاحیت کا ثبوت دیا ہے۔ ابوریحان البیرونی (۴۴۰ھ) جب سلطان محمود غزنوی کے ساتھ کشمیر کے حدود تک پہنچا تو اس کو کشمیر کی اعلیٰ تہذیب و ثقافت پر بڑا متعجب ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی شہرۂ آفاق تصنیف "کتاب الہند" میں کشمیر پر متعدد اوراق وقف ہیں بلکہ البیرونی کو اس کتاب کی ترتیب میں بہت سے معلومات کشمیر کے اہل علم نے بھی بہم پہنچائے تھے وہ لکھتا ہے کہ کشمیر اور وارانسی ہندوستان کے دو اہم علمی مرکز[1] ہیں۔ ظاہر ہے کہ اہلِ ہنود کی حکمرانی کے دوران عرصہ میں بھی کشمیر ہندی علما و فضلاء کی آماجگاہ رہا تھا کشمیر کی تاریخ میں ہندی علماؤں کے جو نام ملتے ہیں اُن میں یہ چند خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اُتپال UTPALE ابی نواگپت ABINAWA GUPTE سوم آنند[2] SOMANAD وغیرہ۔ بدھمت اور ہندو دھرم کے عروج و زوال کی طویل تاریخ کے بعد کشمیر میں دینِ اسلام رایج ہوا اس اشاعت و تبلیغ کے لیے مبلغین نے فارسی زبان کا سہارا لیا، تو گویا دینِ اسلام کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ وادی کشمیر میں فارسی علوم و ادبیات[3] کی بھی پر زور اشاعت ہوئی۔ اس زمانے میں کشمیر کے تاج و تخت کے وارث "شہمیری سلاطین"[4] تھے۔ اس خاندان کے بانی سلطان

شمس الدین شہمیر (۴۲-۱۳۳۹) اور اس کے جانشینوں نے تقریباً سوا دو سو سال یعنی ۱۳۳۹ء سے لیکر ۱۵۶۱ء تک کشمیر پر حکومت کی اس دوران سترہ حکمران برسر اقتدار آئے ان میں سے چند ایسے حکمران تھے جنہیں دو سے لیکر پانچ مرتبہ حکومت کرنے کا موقع ملا لیکن حق تو یہ ہے کہ سلطان قطب الدین ۸۹-۱۳۷۳ء جو اس خاندان کا چوتھا بادشاہ تھا کے عہد سے فارسی علوم کی اشاعت شروع ہو کر سلطان زین العابدین ۷۰-۱۴۲۰ء کے عہد میں پورے عروج کو پہنچی۔

قطب الدین کے عہد کا سب سے اہم واقعہ حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کی مبارک تشریف آوری ۱۳۷۹ء ہے۔ سید موصوفؒ عربی اور فارسی کے متبحر عالم تھے انہوں نے ایک سو سے زاید تصنیفات تالیف فرمائی ہیں جو فلسفہ سیاست، اخلاق، تصوف اور فقہ و تفسیر پر مشتمل ہیں۔ اُن کے ساتھ کشمیر میں سادات و شیوخ کا ایک کارواں بھی داخل ہوا جنہوں نے کشمیر کو اپنا مستقل وطن بنا کر جگہ جگہ دینِ اسلام کے تبلیغی مراکز قایم کئے۔ اس تبلیغ کے ساتھ ساتھ یہاں فارسی زبان میں درس و تدریس کا عمل بھی شروع ہوا اور سلطانِ وقت کے بھرپور تعاون کی وجہ سے سادات و شیوخ نے کشمیر میں عربی و فارسی علوم کے بازار کو خوب رونق بخشی۔ یوں تو اُس زمانے میں اکثر علماؑ کی قیام گاہیں اور بیشتر مساجد درس و تدریس اور اصلاح و تربیت کے مستقل مرکز ہوا کرتے تھے مگر سلطان قطب الدین کے زمانے میں تین دینی مدارس خاص طور پر مشہور ہوئے انہوں نے بہت جلد دار العلوم کی حیثیت اختیار کی۔

مدرسۂ قطب الدین:- سلطان نے اپنے بسائے ہوئے شہر قطب الدین پورہ (سرینگر) میں ایک مدرسہ کی تعمیر کروائی اس کے ساتھ ایک ہوسٹل بھی بنوایا جس میں دور دراز کے طلباؑ اقامت کرتے تھے ان کے لیے حکومت ہی کی طرف سے طعام و قیام اور مصارف تعلیم کا مفت انتظام تھا طلباؑ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی۔ اس مدرسے کے پہلے صدر مدرس حاجی محمد قاری تھے چکوں کے آخری دورِ حکومت میں اس منصب پر مولانا رضی الدین فایز ہوئے۔ مولانا کے علم و فضل کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ علامہ بابا داؤد خاکی

کشمیریؒ جیسے فقیہ اور صوفی عالم اور مولانا شمس الدین پال کشمیری محدثؒ ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ جہانگیر کے عہد میں اس منصب پر مولانا جوہر ناتت (ناتھ) کشمیری محدثؒ (شاگردِ علامہ حافظ ابن حجر مکی) نے اپنے فرائض انجام دیئے۔ اس دانشگاہ کے اساتذہ میں ملا محسن فانی (استادِ غنی کشمیری) مولانا عبدالستار کشمیری اور مولانا حاجی شیخ گنائی کشمیری کے اسمائے گرامی سر فہرست ہیں یہاں کے فارغ التحصیل طلباء میں علامہ بابا داؤد خاکیؒ ملا طاہر غنی عشائی، محمد زمان اشمی خواجہ قاسم ترمذی اور مولانا محمد کادس کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ دارالعلوم صدیوں تک علم و ادب کا مرکز رہا یہاں تک کہ سکھ حکمرانوں نے اس کے ذرایع آمدنی ختم کر کے اُسے مقفل کرا دیا۔ اگر یہ دارالعلوم اس حادثے کا شکار نہ ہوا ہوتا تو یقیناً یہ آج کشمیر میں مدرسہ نظامیہ کے مانند دانشگاہوں کی فہرست میں شامل ہوتا۔

مدرسۃ القرآن:۔ سلطان قطب الدین نے حضرت میر سید علی ھمدانی کی فرمایش پر قرآن حکیم کی تعلیم عام کرنے کے لیے ایک اور مدرسہ کی تعمیر کروائی۔ اس مدرسے نے وسیع پیمانے پر قرآن اور قرآنی تعلیم سے اہل کشمیر کو روشناس کرایا۔ مشہور بزرگ اور عالم قرآن ابوالمشایخ شیخ سلیمان کو اس مدرسے کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ شیخ موصوف کو حکومت کی طرف سے امام القرا کا خطاب بھی ملا تھا۔

مدرستہ عروۃ الوثقیٰ:۔ سلطان قطب الدین کے عہد کے مدارس میں شیخ جمال الدین محدثؒ کی درسگاہ قابل ذکر ہے یہ درسگاہ کشمیر کی علمی تاریخ میں مدرسۂ عروۃ الوثقیٰ کے نام سے مشہور رہی لیکن عام بول چال کی زبان میں یہ نام بگڑ کر ارذشٹھ میں بدل گیا۔

سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان سکندر ۱۳۸۹ء—۱۴۱۳ء تخت نشین ہوا۔ اس نے اشاعتِ اسلام میں گہری دل چسپی لی اور شریعتِ اسلامیہ کو عملاً نافذ کرنے کی طرف خاص توجہ دی۔ اس کے زمانے میں حضرت میر سید علی ھمدانی کے فرزند ارجمند میر محمد ھمدانی تین سو علماء و فضلا کے ساتھ کشمیر میں تشریف فرما ہوئے۔ سلطان بھی ان کا بڑا معتقد تھا

سلطان موصوف بہت ہی سخی اور دیندار حکمران تھا۔ اس نے کشمیر میں شیخ الاسلام[9] کی سرپرستی میں ایک مستقل ادارے کا قیام عمل میں لایا اور تمام دینی اور ملکی معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتا تھا۔ بچوں کی تعلیم کے لیے مدرسے کھولے اور ہسپتال بنوائے۔ جہاں دوا اور کھانا مفت دیا جاتا تھا۔[10]

سلطان سکندر کی فیاضی، علم دوستی اور دریا دلی کا شہرہ سن کر عراق، خراسان اور ماوراء النہر سے علما اور دانش مند وارد کشمیر ہوئے۔[11] انہوں نے جہاں قیام فرمایا، وہاں درس و تدریس کی مجلس گرم ہوئیں۔ اُن میں سید حسین شیرازی، سید جلال الدین بخاری، سید احمد اصفہانی، سید محمد خوارزمی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سلطان مذکور کے زمانے میں سرزمین کشمیر مساجد و مدارس سے معمور تھی اس نے جامع مسجد کے ساتھ ایک دارالعلوم کی بھی بنیاد ڈالی۔ سید محمد علی بخاری اس دارالعلوم کے پہلے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اور مشہور علما، مدرسین میں مولانا محمد یوسف کشمیری (استاد فلسفہ) مولانا سید حسین منطقی (استاد منطق) مولانا صدر الدین کاشی (ریاضی دان) اور مولانا محمد افضل بخاری (مُحدث) کے نام قابل ذکر ہیں۔[12]

سلطان سکندر کے بعد اس کا بیٹا علی شاہ (۱۴۱۳ء تا ۱۴۱۹ء) سات سال تک تخت نشین رہا۔ اس کے بعد اُس کا بھائی شاہی خان (۱۴۲۰-۱۴۷۰ء) زین العابدین کے لقب سے سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس سلطان کا دور کشمیر کی تاریخ میں سنہری دور کہلانے کا مستحق ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ سلطان موصوف کو کشمیر میں وہی مقام حاصل ہے جو مغل سلاطین میں شہنشاہ اکبر کے لیے مخصوص ہے تو بے جا نہ ہوگا۔[13] سلطان مذکور خود ایک بلند پایہ کے عالم و فاضل تھا اور علم کی اشاعت میں بڑی سرگرمی سے کام لیتا تھا بلکہ اس پر بیش بہا رقوم خرچ کرتا تھا۔ کشمیر کی تاریخ گواہ ہے کہ سلطان زین العابدین جو عرف عام میں بڈشاہ[14] کے نام سے مشہور تھا۔ نے اپنے ملک کے اکثر لوگوں کو جو علم کی اہلیت اور اس کا شوق رکھتے تھے وظائف

دیگر بیرونی ملکوں میں بھیجا اور بیرونی ممالک مثلاً سندھ، ہرات، ہندوستان بخارا خراسان، عرب وغیرہ ممالک سے فارسی، عربی اور سنسکرت کے عالم بلوائے ان کو معقول تنخواہیں دیں اور ان تنخواہوں کے لیے خاص خاص دیہات وقف کر دیے ملا بہاء الدین متو اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں ملک روم تک سے علماء و فضلا کشمیر چلے آئے چنانچہ وہ اپنی تصنیف میں یوں رقمطراز ہے "در عہد او از دیگر احصار علماء و فضل درین شہر آمدند مثلاً مولانا محمد باقر رومی و مولانا احمد رومی کہ برادر یکدیگر بودند از سلطان مورد الغامات شدہ درین شہر سکونت در زیدند"۔[١٥]

زین العابدین نے کشمیر کی غیر مسلم رعایا کے ساتھ غیر معمولی رواداری سے کام لیا، چنانچہ اُن کا دربار جہاں مسلمان علماء و شعراء سے آراستہ تھا وہاں اُن کے دوش بدوش ہندو علماء و فضلا کی بھی دربار میں بڑی قدر و منزلت تھی۔ سلطان بذات خود ہندوؤں کے میلوں اور تہواروں میں موجود رہتا تاکہ کوئی شخص ان کے مذہبی رسومات میں خلل نہ ڈالے اتنا ہی نہیں بلکہ کشمیری پنڈتوں کے بیٹوں کو عربی فارسی کی تعلیم دلوا کر بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا۔ اس سلسلے میں مورخ حسن یوں رقمطراز ہے "طفلان پنڈتان را علم فارسی تعلیم دادہ بکار و خدمت ملکی و مالی مشغول داشت"۔

بعض مناور جو منہدم ہوئے تھے از سر نو تعمیر کرائے۔ دارا ترجمہ اور دار التصانیف کے شعبے قایم کئے جن میں مسلمان اور ہندوؤں کی مذہبی، تاریخی اور عام اخلاقی کتابوں کے تراجم ہوتے۔ ملا احمد کشمیری، زرنراج پنڈت، پنڈت بودی بٹ اور ملا نادری ان شعبہ جات کے معزز ارکان تھے۔ سب سے پہلے ملا احمد ہی نے مہابھارت کو فارسی کا جامہ پہنایا تھا۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابیں جو دست برد میں آگئی تھیں ہندوستان سے منگوا کر ملک میں تقسیم کیں۔ ویدوں، شاستروں اور برھمنت کتھا کا فارسی میں اور فارسی کتابوں کا سنسکرت میں ترجمہ کرا کے ہندو مسلمانوں کے دلوں سے ذاتی بغض و عناد کی جڑیں کاٹ دی تھیں۔[١٩]

بقولِ محمد الدین فوق بڈشاہ کو علمی ذخائر جمع کرنے اور اُن سے اپنے ملک کو متفیض کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ وہ غیر ممالک بادشاہوں کو کشمیر کے بیش بہا تحائف بھیجا کرتا تھا جنہیں ایک معزز جماعت لے کر جایا کرتی تھی اور بادشاہ اس جماعت کے اخراجات کا خود کفیل ہوا کرتا تھا۔ اور جو مراسلہ اپنے ہمعصر بادشاہ کے نام ہوتا تھا اس میں صرف مختلف علوم و فنون کی کتابوں کی خواہش ظاہر کرتا تھا چنانچہ اس طریقے سے سلطان نے ایک ایسا کتب خانہ وجود میں لایا جو اس کے عہد میں اس کے کسی اور معاصر بادشاہ کے پاس نہ تھا۔ یہ کتب خانہ بادشاہ کے بعد ایک سو سال یعنی سلطان فتح شاہ کے عہد تک محفوظ تھا اس کے بعد دستبرد زمانہ کے ہاتھوں تلف ہو گیا۔

زین العابدین کی شہرت اس کی انصاف پسندی اور فن و ثقافت کی سرپرستی کے باعث دور دور تک پھیل گئی، اس سے دوسرے ملکوں کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم ہوئے چنانچہ مصنف نوادرالاخبار کے بقول شاہ رخ (۱۴۰۴-۴۷ء) نے جو تیمور کا بیٹا تھا اور ادب اور سائنس کا بڑا سرپرست تھا، زین العابدین کو ہاتھی اور قیمتی جواہرات تحفے میں بھیجے۔ سلطان نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جواب میں اس کو تحائف بھیجے اور لکھا کہ اگر قیمتی جواہرات کے بجائے اس کو علما اور کتابوں کا تحفہ ملتا تو وہ اس کو زیادہ پسند کرتا اس پر شاہ رخ نے اس کے پاس چھ سو علما اور بہت سے قلمی نسخے تحفہ میں بھیجے۔[21]

زین العابدین کو تعلیم کی ترویج سے بہت دل چسپی تھی اس نے نوشہرہ میں اپنے محل کے قریب ایک مدرسہ کھولا تھا اور ملا کبیر اس کا ناظر مقرر کیا تھا۔ کبھی کبھی وہ خود بھی وہاں ملا کبیر کا درس سننے کی غرض سے جایا کرتا تھا۔ مدرسہ کے اخراجات اور مستحق طلبہ کے وظائف کے لیے سلطان نے کچھ جاگیریں وقف کی تھیں جن کے متولی ملا کبیر تھے۔ یہ مدرسہ سترہویں صدی تک چلتا رہا۔ اس مدرسہ کے صدر مولانا کبیر کے علاوہ دیگر اساتذہ میں ملا پارسا، ملا محمد، ملا احمد مولانا نادری کے نام قابل ذکر ہیں۔ بادشاہ کے حکم سے جامع مسجد (سرینگر) کے شمال کی طرف

ایک اور مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی جس میں عربی، فارسی کے علاوہ سنسکرت کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ بادشاہ نے اس کے اخراجات و مصارف کے لیے چند دیہات وقف کر دیے۔ قاضی میر محمد علی اس دارالعلوم کے صدر بنائے گیے[۲۲]۔ اسلام آباد کے قریب مقام سیر میں بھی ایک مدرسہ قایم کیا گیا تھا جس کے مدرسِ اعلیٰ مُلا غازی خان[۲۳] تھے۔ اِن مدارس کے علاوہ سلطان نے کئی ہوسٹل بھی تعمیر کرائے جن میں طلبا کی رہایش، خورد و نوش (خورد و نوش) اور تعلیم و تدریس کا بلا معاوضہ انتظام تھا۔

سلطانِ مذکور کے انتقال کے بعد شاہمیری خاندان میں اگرچہ نو سلاطین برسر اقتدار آئے جنہوں نے یکے بعد دیگرے حکومت کی لیکن یہ سارا عرصہ سیاسی زوال کی نذر ہوا — شہزادوں کی باہمی رقابت زین العابدین کے آخری ایام میں ہی رونما ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے سلطان کے آخری ایام میں تلخی اور رنجش کی آمیزش نظر آتی ہے خود اس کا بیٹا حیدر شاہ (۷۲-۱۴۷۰ء) بڑا عیش پرست ثابت ہوا۔ البتہ اُن کی بیگم گل خاتون علم دوست عورت تھی اُس نے بھی ایک مدرسہ کی تعمیر کروائی جو "مدرسہ گل خاتون" کے نام سے مشہور تھا — اس کو جھیل ڈل کے کنارے "کھچری بل" کے مقام پر بنایا گیا تھا۔ اس کی عمارت کافی وسیع تھی جس میں ۲۶۰ کمرے تھے شیخ اسماعیل اس مدرسہ کے پہلے صدر مدرس تھے۔ غالباً یہی مدرسہ شاہمیری خاندان کے آخری سلاطین کی علمی یادگار رہتی۔

حواشی

۱. بحوالہ (برہان نومبر ۱۹۷۹ — p ۳۵۵) کشمیر میں اسلامی علوم کا عروج و زوال۔

۲. EARLY HISTORY AND CULTURE OF KASHMIR BY- H-C- RAY — P 29

۳. سلاطین کشمیر میں شاہمیری سلاطین کا خاندان ایسا دین خاندان گزرا ہے جس نے کشمیر میں پہلی بار فارسی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں اپنا اہم رول نبھایا ہے۔

۴ـ اگرچہ اس سے پہلے سید مذکور ۱۳۷۲ء میں چار ماہ کے توقف کے بعد مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے پھر وہاں سے ہمدان ہوتے ہوئے دوسری بار کشمیر میں سلطان مذکور کے ہی عہد حکومت میں تشریف فرما ہوئے اور پھر ۱۳۸۳ء میں اسی سلطان کے دوران حکومت میں تیری اور آخری بار خطِ کشمیر کو اپنی تشریف آوری سے منور فرمایا۔

۵ـ نتحاتِ کبرویہ از شیخ عبدالوہاب نوری ــــ ورق ۲۲ ـ الف۔

۶ـ HISTORY OF KASHMIR - BY G.M.D. SOFI

VOL. II - P. 346

بحوالہ برہان نومبر ۱۹۷۹ء (کشمیر میں اسلامی علوم کا عروج وزوال)

۷ـ تاریخ سید علی ــ ورق ـ ۳۳ (ریسرچ لائبریری سرینگر)

۸ـ عصرِ حاضر میں یہ جگہ محلّہ اردوٹھ (متصلِ فتح کدل) کے نام سے ہی مشہور ہے۔

۹ـ بہارستان شاہی ــــ ورق ۴۴ ـ ب

۱۰ـ کشمیر سلاطین کے عہد میں ــــ از محب الحسن ـ ص ۸۷

۱۱ـ تاریخ فرشتہ از ابوالقاسم فرشتہ ــــ ص ـ ۳۴۱ ـ ج ۲۔

۱۲ـ جی. ایم. ڈی صوفی کشمیر ـ ج ۲ ــ ص ـ ۱۳۳

۱۳ـ زین العابدین اور شہنشاہ اکبر میں جو بات مشترک نہ تھی وہ یہ کہ بڈشاہ دین اسلام کا ایک سچا پاسدار اور پابند صوم وصلوٰۃ تھا جب کہ اکبر اسلام سے اعتقادی طور پر منحرف تھا اور اس نے خود ہی ایک نئے دین یعنی "دینِ الٰہی" کو ایجاد کیا تھا۔ جن باتوں میں مماثلت پائی جاتی ہے ان میں ہندو اور مسلمانوں کے ساتھ یکساں سلوک، ہندو مندروں کی مرمت اور حفاظت کا کام، مذہبی آزادی۔ بھاگے ہوئے ہندوؤں کی باز آبادکاری۔ دربار میں ہندو مسلم علما کا سنگم

۱۴ـ بڈشاہ کے علاوہ "بڈ شاہ" یعنی "ہندوؤں کا راجہ" کے نام سے بھی مشہور تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ کشمیر ــــ از فوق ــــ ص ۳۵۷۔

۱۵۔ بحوالہ "شباب کشمیر" — از محمد الدین فوق — ص ۲۱۹

۱۶۔ "تاریخ حسن" — ج ۲ — ص ۱۹۷

۱۷۔ "شباب کشمیر" از فوق — ص ۲۱۷ — ۲۱۸ — "تاریخ حسن" — ج ۲ — ص ۱۹۷
"واقعات کشمیر" — ص ۱۹۷ — بہارستان شاہی — ورق — ۱۲، الف

۱۸۔ اصل میں یہ کتابیں سلطان کے باپ اور بھائی کے دوران حکمرانی میں مہاجر پنڈت اپنے ساتھ ھندوستان لے گئے تھے۔

۱۹۔ "تاریخ کشمیر" از فوق — ج ۲ — ص ۳۵۵ — تاریخ حسن ج ۲ — ص ۱۹۷،

۲۰۔ "شباب کشمیر" از محمد الدین فوق — ص ۲۲۱۔

۲۱۔ نوادر الاخبار ورق — ۴۶، ب — ۴، الف — گوہر عالم ورق — ۱۲۶، ب بحوالہ محب الحسن "کشمیر سلاطین کے عہد میں" ص ۱۰۲-۱۰۳

۲۲۔ "شباب کشمیر" از فوق — ص ۲۳۳

۲۳۔ "کشمیر سلاطین کے عہد میں" — ص ۱۲۸۔